بچوں کو قرآن کریم پڑھانے کے اصل ذمہ داران کے والدین ہیں جنہیں اس کیلئے اللہ تعالیٰ کے حضور جوابدہ ہونا پڑے گا

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۱ر فروری ۱۹۶۶ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ)

❁❁❁

☆ **خیر کم خیر کم لاھلہٖ** کی پُر معارف تشریح۔

☆ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو اس کی صفات کے مطابق اعمال بجا لانے کیلئے مناسب ذرائع اور اسباب بھی مہیا کئے ہیں۔

☆ اپنی اولادوں کی فکر کریں اور ان کی صحیح رنگ میں تربیت کریں۔

☆ **الخیر کُلّہُ فی القرآن** کی تشریح۔

☆ قرآن کریم کے نئے نئے معارف حاصل کرنے کیلئے ساری عمر کوشش کرتے چلے جائیں۔

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ خَیْرُ کُمْ خَیْرُ کُمْ لِاَھْلِہٖ

(ترمذی ابواب المناقب باب فی فضل ازواج النبی ﷺ)

تم میں سے خیر وہ ہے جو اپنے اہل کے لئے بھی خیر ثابت ہو۔ خیر کا لفظ عربی زبان میں اسم کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے اور صفت کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے جب یہ لفظ اسم کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ تو اس کے ایک معنی یہ ہوتے ہیں کہ **حصول الشی بکمالاته** کسی چیز کا اپنے تمام کمالات کے ساتھ حاصل ہو جانا۔ امام راغبؒ نے اپنی کتاب مفردات میں لکھا ہے کہ

الخیر ما یرغب فیه الکل کالعقل مثلا والعدل والفضل والشی النافع وضده الشر۔

(المفردات فی غریب القرآن۔ کتاب الخاء صفحہ ۱۶۰)

یعنی خَیْرٌ اس چیز کو کہتے ہیں جس کے حصول کا سارے کے سارے لوگ بلا استثناء ارادہ کریں۔ پھر رغبت کے معنوں میں ارادہ اور محبت ہر دو مفہوم پائے جاتے ہیں اس لئے خَیْرٌ کے معنی ہوں گے۔ وہ چیز جو تمام بنی نوع انسان کی محبوب ہو جیسے مثلاً عقل ہے۔ اب دنیا میں کوئی انسان یہ نہیں کہے گا کہ مجھے عقل نہیں چاہئے میں تو بیوقوف اور احمق بننا چاہتا ہوں پھر انصاف ہے دنیا کا کوئی انسان یہ نہیں کہے گا کہ میں انصاف کو پسند نہیں کرتا پھر اس کے معنی نفع دینے والی چیز کے ہیں آپ کو کوئی انسان ایسا نہیں ملے گا جو کہے مجھے وہ اشیاء درکار نہیں جو نفع دینے والی ہیں بلکہ مجھے ان اشیاء کی ضرورت ہے جو نقصان دینے والی ہوں۔ پس خَیْرٌ ہر اس چیز کو کہیں گے جس میں تمام بنی نوع انسان رغبت اور اس کے حصول کی خواہش رکھتے ہوں اور پھر وہ چیز انہیں محبوب اور پیاری ہو پھر صرف یہ نہیں کہ وہ چیز بنی نوع انسان کو پیاری ہو بلکہ ہر حال میں پیاری ہو۔ چنانچہ امام راغب نے لکھا ہے کہ **وھو ان یکون مرغوبا فیه بکل حال**

و عند کل امر۔ (المفردات للامام راغب کتاب الخاء)

یعنی وہ چیز انسان کو ہر حال میں مرغوب ہو اور اگر غور سے دیکھا جائے تو وہ چیزیں جو ہمیں بطور انسان کے مرغوب اور محبوب ہیں اور ہم ان سے پیار کرتے ہیں وہی ہیں جن کا تقاضا ہماری فطرتِ صحیحہ کی مختلف صفات کر رہی ہوتی ہیں۔ جو چیزیں ہماری فطرتِ صحیحہ کے خلاف ہوں اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم میں سے بعض افراد ان سے دلچسپی لے سکتے ہیں اور انہیں اچھا سمجھ سکتے ہیں لیکن سارے کے سارے بنی نوع انسان اس میں رغبت نہیں رکھتے اور نہ ان سے محبت کرتے ہیں۔ پس ایسی اشیاء جو اس تعریف کے ماتحت آتی ہیں۔ وہ صرف وہی چیزیں ہوسکتی ہیں۔ جن کا مطالبہ انسان کی فطرت صحیحہ کی مختلف صفات نے کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا پھر اس کی فطرت میں کچھ صفات رکھیں پھر ہر صفت پر جو اس میں رکھی اپنی صفت کا ایک ٹھپہ لگا دیا اس پر اپنی صفت کی مہر لگا دی۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی وہ تمام صفات عطا کیں جن کا تعلق اس کی دنیوی زندگی سے تھا خدا تعالیٰ کی صفات تو غیر محدود ہیں۔ لیکن ایک محدود انسانی زندگی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جن صفات کا تعلق تھا ان میں سے ہر ایک صفت خدا تعالیٰ نے انسان کو عطا کی اور پھر اس پر اپنی اسی صفت کا ٹھپہ اور مہر لگا دی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک اور چیز بھی عطا کی اور وہ انسان کی طبیعت ثانیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی صفات میں کامل اور غیر محدود ہے۔ اور وہ اپنی ان صفات کے غیر محدود مظاہرے ہر آن کرنے والا ہے۔ لیکن انسان محدود تھا اس لئے ان صفات کے مل جانے کے بعد اختلافی طور پر ایک چیز باقی رہ جاتی تھی اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرتا ہے۔ جیسے فرمایا یَفْعَلُ مَا يَشَاءُ (آل عمران: ۴۰) عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ (البقرہ: ۲۱) یعنی ہر چیز جسے وہ چاہے کرتا ہے وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ پھر فرمایا خدا تعالیٰ غَالِبٌ عَلٰى اَمْرِهٖ (یوسف: ۲۲) ہے یعنی کوئی چیز اسے کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر مجبور نہیں کرسکتی اب اگر خدا تعالیٰ انسان کو اپنی صفات عطا کر کے چھوڑ دیتا اور اسے طبیعت ثانیہ عطا نہ کرتا تو اس رنگ میں یہ بنیادی اختلاف پیدا ہو جاتا کہ وہ آزاد نہ رہا بلکہ ان صفات کے مطابق عمل کرنے پر مجبور ہو گیا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ خدا تعالیٰ نے انسان کو اپنی بعض صفات عطا کر کے کہا میں اب تمہیں آزادی بھی دیتا ہوں اور اس آزادی کے لئے ایک متوازی طبیعت ثانیہ کی ضرورت تھی۔ خدا تعالیٰ نے انسان کو کہا میں نے تمہیں

اپنی صفات تو دے دی ہیں لیکن تم ان کے مطابق عمل کرنے پر مجبور نہیں ہو میں تمہیں یہ اجازت بھی دیتا ہوں کہ اگر تم چاہو تو ان صفات کی قدر نہ کرو اور ان وساوس میں مبتلا ہو جاؤ جو شیطان تمہارے دل کے اندر پیدا کرتا ہے۔ تم میرے حکم کی تعمیل کی بجائے شیطان کی پیروی کرنے لگ جاؤ اور میری صفات کا مظہر بننے کی بجائے شیطانی صفات کے مظہر بن جاؤ تمہیں آزادی ہے تم جو چاہو کرو اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو فطرت صحیحہ کے ساتھ ساتھ ایک طبیعت ثانیہ بھی عطا کی اور اس کی وجہ سے انسان بعض دفعہ شیطان کی بات مان کر خدا تعالیٰ کے مقابلہ پر کھڑا ہو جاتا ہے حالانکہ انسان کی فطرتِ صحیحہ اسے ایسا کرنے سے منع کرتی ہے۔ اسی چیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:۔

يٰاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِo الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَo فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَo (سورۃ انفطار: ۷ تا ۹)

یعنی اے انسان تجھے کس نے تیرے ربّ کے بارے میں مغرور بنایا ہے۔ مَا غَرَّكَ بِفُلَانٍ کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ تجھے اس کے مقابلہ میں دلیری اور جرأت کے ساتھ کھڑے ہو جانے پر کس نے آمادہ کیا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے انسان ہم نے تجھے پیدا کیا پھر تیری فطرت صحیحہ میں اپنی بعض صفات رکھیں اور پھر تجھے اپنی صفات کا مظہر بنایا۔ فَسَوّٰكَ پھر تیری ان صفات کو تیرے مناسب حال درست کیا اور پھر تجھے خالی صفات ہی نہیں دیں بلکہ تجھے ان صفات کے مطابق اعمال بجا لانے کی قوت بھی عطا کی خدا تعالیٰ تو خیر قادر مطلق ذات ہے۔ اس کی صفات اور اس کی قدرتیں پہلو بہ پہلو چل رہی ہوتی ہیں اس کے لئے نہ اس دنیا میں کوئی روک ہے اور نہ اگلی دنیا میں کوئی روک ہے۔ وہ مَالِكُ كُلِّ شَيْءٍ ہے وہ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (الرعد: ۱۷) ہے وہ قَادِرٌ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ ہے لیکن انسان ایسا نہیں۔ اس کو اگر اللہ تعالیٰ نے محض اپنی بعض صفات دی ہوتیں لیکن ان کے مطابق اعمال بجا لانے کی طاقت اسے حاصل نہ ہوتی تو یہ سب صفات اس کے کسی کام کی نہ ہوتیں وہ محض ایک بیکار شئی ہوتیں مثلاً صفت رحم ہے اگر اللہ تعالیٰ انسان کو صفت رحم تو عطا کرتا لیکن رحم کرنے کیلئے جن اسباب اور ذرائع کی ضرورت ہوتی ہے وہ اسے عطا نہ کئے جاتے تو یہ صفت انسان کیلئے بیکار شئی بن کر رہ جاتی۔ پس جہاں تک انسان کا تعلق ہے ضروری ہے کہ ہر صفت کے مطابق اسے اعمال بجالانے کیلئے مناسب ذرائع سامان اور اسباب بھی عطا کئے

جائیں ورنہ وہ صفت انسان کے کسی کام کی نہیں رہتی تو فرمایا فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ہم نے تجھے تیری صفات کے مطابق ایسی قوتیں دی ہیں اور ایسے اسباب پیدا کر دئے ہیں کہ یہ صفات ناکارہ نہ بن جائیں بلکہ تو ان کے مطابق اپنی عملی زندگی گزار سکے ہم نے تجھے اپنی صفات کا مظہر بنایا ہے اور ان کے مطابق عمل بجالانے یا نہ بجالانے میں آزاد رکھا ہے پھر فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ۔ (الانفطار: ۹) اس کے بعد خدا تعالیٰ نے جو صورت پسند کی اس میں تجھے ڈھالا اس آیت میں اس طرف بھی لطیف اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے مجبور پیدا نہیں کیا بلکہ تجھے تیری فطرت صحیحہ کے ساتھ ساتھ طبیعت ثانیہ بھی عطا کی ہے اور تجھے اجازت دی ہے کہ اگر تو چاہے تو خدا تعالیٰ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اس کی صفات حسنہ کا حقیقی مظہر بنے۔ اور اگر تو چاہے تو خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں اباء اور استکبار کا رویہ اختیار کرتے ہوئے بغاوت اختیار کرلے اور شیطان کے گروہ میں شامل ہو جائے اور خدا تعالیٰ کا انسان کو یہ آزادی دینا بھی دراصل اسے مظہر صفات باری بنانے کے لئے ضروری تھا۔ ورنہ اگر جبر کا طریق اختیار کیا جاتا تو اس میں اور خدا تعالیٰ کی دوسری مخلوقات میں کوئی فرق نہ رہتا اور انسان کو دوسری مخلوقات پر کوئی فضلیت حاصل نہ ہوتی کیونکہ خدا تعالیٰ کی ساری مخلوقات ہی اس کی اطاعت میں لگی ہوئی ہے اور وہ اس کے احکام کے بجالانے سے انکار نہیں کرسکتی۔ دیکھو خدا تعالیٰ بھی محنت کا پھل دیتا ہے اور آم کا درخت بھی خدا تعالیٰ کے اِذن کے ساتھ محنت کا پھل دیتا ہے یعنی انسان آم کے درخت پر محنت کرے تو خدا تعالیٰ کے اِذن کے ساتھ اسے محنت کا پھل مل جاتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ وہ محنت تو کرے اس لئے کہ اسے اس درخت سے آم ملیں لیکن اسے اس درخت سے کھٹی گلگل حاصل ہو کیونکہ اس درخت نے خدا تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرنی ہے، خدا تعالیٰ کا اسے حکم ہے کہ اگر کوئی انسان اس کی پرورش کرے تو وہ بڑا ہو کر اسے آم ایسا میٹھا پھل دے لیکن اس آم میں خدا تعالیٰ کے صفات کا مظہر بننے کی اہلیت نہیں کیونکہ جہاں جبری اطاعت ہو وہاں کامل مظہریت پیدا نہیں ہوتی جیسے اللہ تعالیٰ پر کسی اور ہستی کا زور نہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو بھی اس کے ایک محدود دائرہ کے اندر آزادی دے دی (بڑے دائرہ کے اندر تو وہ بھی بہت سی پابندیوں میں جکڑا ہوا ہوتا ہے) یعنی اس کو ایسی قوتیں عطا کر دیں کہ وہ بھی خدا تعالیٰ کی ان صفات کو جو اسے عطا کی گئی ہیں ایک محدود دائرہ کے اندر اپنی مرضی سے استعمال کر سکے اور اگر چاہے تو وہ راستہ بھی اختیار کرلے جو اس کی فطرت صحیحہ کے مطابق نہیں۔

غرض خیــــر کے معنی جیسا کہ میں نے بتایا ہے اس چیز کے ہیں جسے انسان ہر حالت میں پسند کرتا ہے۔ وہ اس میں رغبت رکھتا ہے اور اسے حاصل کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور اگر تدبر اور فکر سے کام لیا جائے تو ایسی اشیاء صرف وہی ہو سکتی ہیں جن کا مطالبہ ہماری فطرت صحیحہ کر رہی ہو کیونکہ جو چیز ہماری فطرت صحیحہ کے مطابق اور مناسب حال نہیں اسے تمام بنی نوع انسان پسند نہیں کر سکتے۔ اس کو وہ محبوب نہیں رکھ سکتے۔ وہ ان کی مرغوب نہیں ہو سکتی۔ انسان کو مرغوب اور محبوب وہی چیز ہو سکتی ہے جس کا اس کی فطرت صحیحہ تقاضا کر رہی ہو۔ پس جب نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

خَيْرُ كُمْ خَيْرُ كُمْ لِاَهْلِهٖ

(ترمذی ابواب المناقب باب فی فضل ازواج النبی ﷺ)

تو آپؐ کی اس سے یہی مراد تھی کہ تم میں سے سب سے زیادہ صاحب خیر یعنی ان چیزوں کو جن کا اس کی فطرت صحیحہ مطالبہ کرتی ہے اور خواہش رکھتی ہے۔ سارے کمالات کے ساتھ حاصل کرنے والا وہ شخص ہے جو ان سب بھلائیوں کو اپنے اہل کے لئے بھی منتخب کرتا ہے کیونکہ اگر کوئی شخص حقیقتاً یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر بن کر میں نے ان تمام خوبیوں کو اپنے نفس کے اندر جمع کرنا ہے اور تمام دنیوی اور روحانی مدارج ارتقاء کو طے کرتے ہوئے فطرت کے سارے تقاضوں کو بہ کمال حاصل کرنا ہے یعنی خدا تعالیٰ کا بندۂ کامل بن جانا ہے۔ تو وہ یہ ہرگز برداشت نہیں کر سکتا کہ وہ تمام بھلائیاں جو اسے حاصل ہیں۔ اس کے بیوی بچوں اور دوسرے عزیزوں کو حاصل نہ ہوں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر اپنی ایک صفت ربوبیت بھی رکھی ہے۔ اب انسان ان تمام صفات کا جو خدا تعالیٰ نے اس کے اندر رکھی ہیں اپنے کمالات کے ساتھ مظہر بن ہی نہیں سکتا جب تک کہ وہ ربوبیت کی صفت کا مظہر نہ ہو یعنی وہ اس خیر کو جو اس کے اندر پائی جاتی ہے اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں تک نہ پہنچائے۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خَيْرُ كُمْ خَيْرُ كُمْ لِاَهْلِهٖ (بخاری کتاب المناقب باب فی فضل ازواج النبی ﷺ) کہہ کر اس طرف توجہ دلائی ہے کہ ہم میں سے ہر اس شخص کے لئے جو خدا تعالیٰ کی عطا کردہ صفات کو بروئے کار لاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی صفات میں اس کا مظہر کامل بنتا ہے۔ ضروری ہے کہ وہ اپنی اولاد کی فکر کرے اور وہ ان کی صحیح رنگ میں تربیت کرنے والا ہو کیونکہ جو شخص اپنی اولاد اپنے رشتہ داروں اور اپنے خاندان (اھل میں یہ سب شامل ہیں) کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ وہ خود اپنے عمل سے اس پر مہر لگا دیتا ہے

کہ وہ ان تمام صفات حسنہ کو کام میں نہیں لگا رہا جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کی ہیں بلکہ وہ ان میں سے بعض صفات کو نظر انداز کر رہا ہے۔ پس نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ جب تک تم اپنی اولاد اپنے رشتہ داروں اور اپنے خاندان کی صحیح تربیت کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ تم اس مقام کو حاصل نہیں کر سکتے جس کے حصول کے لئے انسان کی پیدائش کی گئی ہے۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان خیر کیسے بن سکتا ہے یا ہم کن راہوں پر چل کر خیر کو حاصل کر سکتے ہیں یا ہمیں خیر کہاں سے مل سکتی ہے اس کا سادہ جواب یہی ہے کہ یہ چیز قرآن کریم سے حاصل ہوتی ہے۔ قرآن کریم کا ایک لفظی خلاصہ خود قرآن کریم میں ’’خیر‘‘ کہا گیا ہے۔ قرآن کریم میں ہے مَاذَا اَنْزَلَ رَبُّكُمْ (النحل:۳۱) جب مسلمانوں سے سوال کیا جاتا ہے کہ تمہارے ربّ نے کیا اُتارا۔ قَالُوْا خَيْرًا۔ (النحل:۳۱) وہ کہتے ہیں ’’خیر‘‘ گویا ’’خیر‘‘ کے لفظ میں قرآن کریم کا خلاصہ ہے قرآن کریم کا ایک اجمالی خلاصہ خدا تعالیٰ نے اس کے شروع میں سورۃ فاتحہ کی شکل میں بیان کر دیا ہے اور اس کی آخری تین سورتیں بھی اس کا خلاصہ ہیں اور پھر اس کا ایک لفظی خلاصہ ’’خیر‘‘ بھی ہے اب دیکھو کتنی عجیب بات ہے کہ خدا تعالیٰ نے سارے قرآن کریم کا خلاصہ صرف ایک لفظ میں بیان کر دیا ہے اور وہ لفظ ’’خیر‘‘ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے الہاماً بتایا کہ

اَلْخَيْرُ كُلُّهٗ فِي الْقُرْاٰنِ (تذکرہ نیا ایڈیشن صفحہ ۸۹)

کہ اگر تم خیر (اس کا مفہوم جیسا کہ میں نے بتایا ہے بڑا وسیع ہے) کے حصول کا طریق جاننا چاہتے ہو اگر تم اس کے حصول کے ذرائع سمجھنا چاہتے ہو۔ یا تم سمجھتے ہو کہ اس کے حصول کے سلسلہ میں تمہیں کسی مدد اور معاون کی ضرورت ہے تو تمہیں قرآن کریم کی طرف رجوع کرنا پڑے گا کیونکہ اَلْخَيْرُ كُلُّهٗ فِي الْقُرْاٰنِ۔ خیر سب کی سب قرآن کریم میں ہے۔ اسی لئے میں نے اپنے پچھلے خطبہ میں جماعت کو اپنے بچوں کو قرآن کریم ناظرہ پڑھانے اور پھر اس کا ترجمہ پڑھانے کی طرف توجہ دلائی تھی۔ اس وقت تک اس سلسلہ میں جو رپورٹیں مجھے ملی ہیں۔ ان میں ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جماعت کے بعض افراد باوجود اس کے کہ وہ اپنے بچوں کو قرآن کریم پڑھا سکتے ہیں اس کی طرف توجہ نہیں کرتے اور باوجود اس کے کہ انہیں اس امر کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ انہوں نے اس کا خیال نہیں کیا۔ ایسے احباب کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر وہ اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے خیر کا حصول چاہتے ہیں اور اپنے خدا کی نظر میں خیر بننا چاہتے ہیں تو

ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآن کریم کے پڑھنے پڑھانے کی طرف رجوع کریں۔ اور اس سے خیر حاصل کریں۔ اور پھر اپنی اولاد کو بھی اس طرف لگائیں کہ ہر قسم کی خیر قرآن کریم سے ہی مل سکتی ہے اور اگر تم یا تمہاری اولاد قرآن کریم کی طرف پیٹھ کر کے آگے بڑھو گے تو یاد رکھو وہ رستہ جس کی طرف تم جارہے ہوگے جنت کا رستہ نہیں ہوگا بلکہ جہنم کا رستہ ہوگا غرض اَلْخَیْرُ کُلُّهٗ فِی الْقُرْاٰنِ ہر وہ چیز جو ہماری فطرت کو سیٹسفائی (Satisfy) کر سکتی ہے اسے تسلی اور اطمینان دلا سکتی ہے اس کی ضرورتوں کو پورا کر سکتی ہے اور پھر وہ غرض جس کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا ہے صرف قرآن کریم کے پڑھنے سمجھنے اس سے فیض حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہو سکتی ہے۔

اولاد کی تربیت اور اس کو قرآن کریم پڑھانے کی اصل ذمہ داری والدین پر ہے انہیں اس کے لئے خدا تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہونا پڑے گا۔ ان سے سوال کیا جائے گا کہ انہوں نے اپنی اولاد کو اس نعمت یعنی قرآن کریم سے جو انہیں حاصل تھی کیوں محروم کر دیا۔ حالانکہ وہ اس نعمت کو اپنی اولاد تک پہنچانے کی اہلیت رکھتے تھے جماعتی نظام کا یہ کام ہے کہ وہ انہیں اس طرف متوجہ کرے جماعتی نظام کا یہ کام ہے کہ وہ اس کام کے لئے بعض سہولتیں مہیا کر دے کیونکہ جب تک جماعتی نظام اس کا ممد و معاون نہ ہو۔ انسان اپنی ذاتی الجھنوں کو حل نہیں کر سکتا اور جماعتی نظام تمہاری اس مدد کے لئے تیار ہے وہ تمہیں یہ کہے گا کہ تم پریشان نہ ہو اگر تم اپنی اولاد کو اپنے اوقات میں سے صرف نصف گھنٹہ اور دے دیا کرو اور انہیں قرآن کریم پڑھا دیا کرو تو تمہاری یہ پریشانی دور ہو جائے گی کہ تمہاری اولاد قرآن کریم سے بے بہرہ ہے پھر جماعتی نظام کا یہ کام ہے کہ وہ افراد جو فی الواقعہ اور فی الحقیقت اس قابل نہیں کہ اپنے بچوں کو قرآن کریم پڑھا سکیں ان کے بچوں کو قرآن کریم پڑھانے کا مناسب انتظام کرے مثلاً ایک غریب خاندان ہے بدقسمتی سے والدین اپنے بچپن میں قرآن کریم ناظرہ نہیں پڑھ سکے اور بدقسمتی سے ان کے قرب و جوار میں کوئی ایسا احمدی دوست بھی نہیں رہتا جو قرآن کریم پڑھانے کے قابل ہو ان کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ با تنخواہ استاد رکھیں اور بچوں کو قرآن کریم پڑھوائیں لیکن ان کے پاس روپیہ نہیں جو اس انتظام پر خرچ کر سکیں ایسی استثنائی حالتوں میں جماعتی نظام کا فرض ہے کہ وہ ایسے بچوں کو قرآن کریم پڑھانے کا انتظام کرے چاہے اس پر رقم خرچ کرنی پڑے ورنہ اصل ذمہ داری اور فرض والدین کا ہے اگر ماں پڑھی ہوئی ہے یا باپ قرآن کریم ناظرہ جانتا ہے تو ان کا فرض ہے کہ وہ اپنے بچوں کو بھی

قرآن کریم پڑھائیں اور ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم انہیں اس طرف توجہ دلائیں ان پر اخلاقی دباؤ ڈالیں۔ انہیں غیرت دلائیں اور انہیں سمجھائیں کہ خدا تعالیٰ نے تمہیں قرآن کریم جیسی نعمت عطا کی ہے تم اپنے چند کھوٹے پیسوں کو تو بطور ورثہ اپنی اولاد میں چلانا چاہتے ہو لیکن قرآن کریم ایسی بڑی نعمت کو اپنے پاس مہیا رکھتے ہوئے یہ کیسے برداشت کر سکتے ہو کہ وہ تمہاری اولاد تک نہ پہنچے۔ غرض افراد کو ہر طرح سمجھانا۔ انہیں تلقین کرنا اور یاد دلانا ہمارا کام ہے اور اگر کوئی شخص مجبور ہے، معذور ہے تو اس کی ہر ممکن مدد کرنا بھی ہمارا کام ہے لیکن اگر جماعت میں کوئی ایسا آدمی موجود ہے کہ وہ خود اپنے بچوں کو قرآن کریم پڑھا سکتا ہے اور وہ باوجود سمجھانے کے اپنے بچوں کو قرآن کریم پڑھانے کی طرف متوجہ نہیں ہوتا یا وہ مالدار ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے اس قدر توفیق دے رکھی ہے کہ وہ استاد رکھ کر اپنے بچوں کو قرآن کریم پڑھا سکتا ہے لیکن وہ اس طرف توجہ نہیں کرتا۔ تو ایسا شخص ہمارے لئے انتہائی بے عزتی کا باعث ہے ایسے شخص کو سمجھ لینا چاہئے کہ جماعت اس کی اس حرکت کو کبھی برداشت نہیں کرے گی جماعت کا یہ فرض ہے کہ جب تک ایسا شخص جماعت کے ساتھ منسلک ہے اسے اپنے بچوں کو وقت دے کر یا رقم خرچ کر کے قرآن کریم پڑھوانے کے لئے مجبور کرے۔

میں نے قرآن کریم کے پڑھانے کی جو سکیم جماعت کے سامنے رکھی تھی اس پر عمل کرنے کے لئے میرے نزدیک کسی بجٹ کی ضرورت نہیں صرف انتظام کی ضرورت ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر وہ لوگ جن کے سپرد یہ کام ہے اس کی طرف پوری توجہ کریں تو ہمیں اس کام کے لئے روپیہ کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جماعت کو قرآن کریم پڑھنے اور پڑھانے والے دوست کثرت سے دئے ہیں اور میں کامل یقین رکھتا ہوں۔ جب جماعت سے اپیل کی جائے گی کہ بچوں کو قرآن کریم پڑھانے کے لئے رضا کاروں کی ضرورت ہے تو جماعت کی عورتیں اور مرد ضرورت سے زیادہ اپنے نام پیش کر دیں گے انشاء اللہ لیکن منتظمین کو بھی اس نہج اور طریق پر سوچنا اور کام کرنا چاہئے کہ پیسہ خرچ کرنے کی طرف ان کو توجہ نہ ہو۔ اور اس یقین کامل کے ساتھ انہیں کام کرنا چاہئے کہ ہم پیسہ بھی خرچ نہیں کریں گے اور ہمارا کام بھی ہو جائے گا۔ قرآن کریم ایک ایسی نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں محض اپنے فضل سے عطا کی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں فطرتِ صحیحہ عطا کر دیتا اور پھر ہمیں اپنی ان صفات کا بھی مظہر بنا دیتا جو اس مادی

دنیا سے تعلق رکھتی ہیں جس میں ہم نے اپنی زندگی گزارنی ہے لیکن ان صفات کے صحیح استعمال کا ہمیں علم نہ دیتا ان صفات سے ہمیں صحیح طریق پر کام لینے کا علم نہ دیتا وہ ان راہوں کی نشان دہی نہ کرتا جن پر چل کر ہم مدارج ارتقاء طے کرتے ہوئے خدا تعالیٰ کے قریب سے قریب تر ہوتے چلے جائیں تو پھر ان صفات کا ہماری فطرت میں رکھا جانا مفید نہ ہوتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک طرف ہمیں فطرت صحیحہ عطا کی ہے اور دوسری طرف قرآن کریم جیسی تعلیم دے کر، اس فطرت صحیحہ کے صحیح نشو ونما کے سامان کر دئے ہیں کیونکہ قرآن کریم کے بغیر انسان اپنی زندگی کا مقصد حاصل نہیں کرسکتا اس وقت میں دوستوں کو اس سلسلہ میں کہ قرآن کریم سے ہمیں کس قدر پیار کرنا چاہئے (اور پھر اگر فی الواقع پیار ہو جائے تو انسان ایک لحظہ کے لئے بھی یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ اتنی اچھی، حسین، خوبصورت، دل کو موہ لینے والی اور دل و دماغ اور سینہ کو معطر کر دینے والی چیز ہمیں ملی ہو اور ہم اپنی اولاد اور اپنے رشتہ داروں کو اس سے محروم رکھیں) حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب میں سے دو اقتباسات سنانا چاہتا ہوں۔

آپؑ فرماتے ہیں:۔

’’حقیقی اور کامل نجات کی راہیں قرآن نے کھولیں اور باقی سب اس کے ظل تھے۔ سو تم قرآن کو تدبر سے پڑھو اور اس سے بہت ہی پیار کرو۔ ایسا پیار کہ تم نے کسی سے نہ کیا ہو۔ کیونکہ جیسا کہ خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا اَلْخَیْرُ کُلُّہٗ فِی الْقُرْآنِ کہ تمام قسم کی بھلائیاں قرآن میں ہیں یہی بات سچ ہے۔ افسوس ان لوگوں پر جو کسی اور چیز کو اس پر مقدم رکھتے ہیں۔ تمہاری تمام فلاح اور نجات کا سرچشمہ قرآن میں ہے۔ کوئی بھی تمہاری ایسی دینی ضرورت نہیں جو قرآن میں نہیں پائی جاتی۔ تمہارے ایمان کا مصدق یا مکذب قیامت کے دن قرآن ہے اور بجز قرآن کے آسمان کے نیچے اور کوئی کتاب نہیں جو بلا واسطہ قرآن تمہیں ہدایت دے سکے۔ خدا نے تم پر بہت احسان کیا ہے جو قرآن جیسی کتاب تمہیں عنایت کی۔ میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ کتاب جو تم پر پڑھی گئی اگر عیسائیوں پر پڑھی جاتی تو وہ ہلاک نہ ہوتے اور یہ نعمت اور ہدایت جو تمہیں دی گئی۔ اگر بجائے توریت کے یہودیوں کو دی جاتی تو بعض فرقے ان کے قیامت سے منکر نہ ہوتے۔ پس اس نعمت کی قدر کرو جو تمہیں دی گئی یہ

نہایت پیاری نعمت ہے یہ بڑی دولت ہے۔ اگر قرآن نہ آتا تو تمام دنیا ایک گندے مُضْغَة کی طرح تھی۔قرآن وہ کتاب ہے جس کے مقابل پر تمام ہدایتیں ہیچ ہیں''۔

(کشتی نوح۔روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۲۶، ۲۷)

اسی طرح حضور علیہ السلام ازالہ اوہام میں فرماتے ہیں:۔

''بلا شبہ جن لوگوں کو راہ راست سے مناسبت اور ایک قسم کا رشتہ ہے ان کا دل قرآن شریف کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے اور خدائے کریم نے ان کے دل ہی اس طرح کے بنا رکھے ہیں کہ وہ عاشق کی طرح اپنے اس محبوب کی طرف جھکتے ہیں اور بغیر اس کے کسی جگہ قرار نہیں پکڑتے اور اس سے ایک صاف اور صریح بات سن کر پھر کسی دوسرے کی نہیں سنتے اس کی ہر ایک صداقت کو خوشی سے اور دوڑ کر قبول کر لیتے ہیں اور آخر وہی ہے جو موجب اشراق اور روشن ضمیری کا ہو جاتا ہے اور عجیب در عجیب انکشافات کا ذریعہ ٹھہرتا ہے اور ہر یک کو حسب استعداد معراج ترقی پر پہنچاتا ہے راست بازوں کو قرآن کریم کے انوار کے نیچے چلنے کی ہمیشہ حاجت رہی ہے اور جب کبھی کسی حالت جدیدہ زمانہ نے اسلام کو کسی دوسرے مذہب کے ساتھ ٹکرا دیا ہے تو وہ تیز اور کارگر ہتھیار جو فی الفور کام آیا ہے قرآن کریم ہی ہے ایسا ہی جب کہیں فلسفی خیالات مخالفانہ طور پر شائع ہوتے رہے تو اس خبیث پودہ کی بیخ کنی آخر قرآن کریم ہی نے کی اور ایسا اس کو حقیر اور ذلیل کر کے دکھلا دیا کہ ناظرین کے آگے آئینہ رکھ دیا کہ سچا فلسفہ یہ ہے نہ وہ۔ سو حال کے زمانہ میں بھی جب اوّل عیسائی واعظوں نے سر اُٹھایا اور بدفہم اور نادان لوگوں کو توحید سے کھینچ کر ایک عاجز بندہ کا پرستار بنانا چاہا اور اپنے مغشوش طریق کو سوفسطائی تقریروں سے آراستہ کر کے ان کے آگے رکھ دیا اور ایک طوفان مُلکِ ہند میں برپا کر دیا۔ آخر قرآن کریم ہی تھا جس نے انہیں پسپا کیا کہ اب وہ لوگ کسی باخبر آدمی کو منہ بھی نہیں دکھلا سکتے۔ اور ان کے لمبے چوڑے عذرات کو یوں الگ کر کے رکھ دیا۔ جس طرح کوئی کاغذ کا تختہ لپیٹے''۔

(ازالہ اوہام حصہ دوم۔روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۳۸۱، ۳۸۲)

غرض قرآن کریم ایک ایسی کتاب ہے جس سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان اور

خود ہماری اپنی عقل کے مطالبہ اور تقاضا کے مطابق ہمیں اتنا پیار کرنا چاہئے کہ کسی اور چیز سے ہم اتنا پیار نہ کرنے والے ہوں اور وہ ہمیں اتنا محبوب ہونا چاہئے کہ ہم ایک لمحہ کے لئے بھی برداشت نہ کریں کہ یہ نعمت جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کی ہے اس سے ہماری نسلیں محروم رہ جائیں۔ پس ایک احمدی ہونے کی حیثیت سے آپ کا پہلا اور آخری فرض یہ ہے کہ آپ اپنی اولاد کو پہلے قرآن ناظرہ پڑھائیں اور پھر اس کا ترجمہ سکھائیں اور پھر ان کے لئے ایسا ماحول پیدا کریں کہ قرآن کریم کی محبت اور عشق ان کے دلوں میں پیدا ہو جائے۔ اور وہ قرآن کریم کے نئے نئے معارف حاصل کرنے کے لئے ساری عمر کوشش کرتے چلے جائیں اور وہ اس حقیقی مقصد کو پورا کرنے کے لئے جس کی خاطر انسان کی پیدائش کی گئی ہے صحیح معنوں میں اور حقیقی رنگ میں خدا تعالیٰ کی صفات کے مظہر بننے والے ہوں۔ اور خدا تعالیٰ کی اس کتاب سے روشنی، نور اور راہ نمائی حاصل کر کے خدا تعالیٰ کے قرب کی راہوں پر تیزی سے گامزن رہنے والے ہوں۔ اور اس کی رضا کو زیادہ سے زیادہ اور جلد سے جلد تر حاصل کرنے والے ہوں۔ خدا تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۳؍فروری ۱۹۶۶ء)

☆......☆......☆